ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

قرآن کریم میں حکمت کا مفہوم

قرآن کریم کے اندر خود اسی کتاب مقدس کے کچھ صفات اور امتیازی حقائق بیان کئے گئے ہیں کہیں اسے کتاب لاریب فیہ کہا ہے کہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یقینی ہے اس کے اندر شکوک کی گنجائش نہیں کہیں اسے فرقان کہا گیا ہے جو حق و باطل کو دو ٹوک الگ الگ کر دے۔ کہیں اس کو نور سے تشبیہہ دی گئی ہے جو زندگی کی ظلمتوں کو دور کرتا اور ارواحِ انسانی کو منیر و مستنیر کرتا ہے۔ کہیں اس کے متعلق یہ دعوہ ہے کہ وہ نبی اُمّی جو اس قرآن سے فیضیافتہ ہے بیہودہ رسوم ورواج اور گمراہ ادیان کی پہنائی ہوئی زنجیروں کو توڑتا اور توہمات کے طوق سے انسانوں کی گلو خلاصی کراتا ہے۔ کہیں یہ بیان ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے اہم شعبوں کے متعلق مفصل تعلیم موجود ہے کہیں یہ ارشاد ہے کہ تم اس کے اندر کوئی داخلی تضاد نہ پاؤ گے اس کی تمام تعلیمات باہم متوافق ہیں۔ ہر صفت اس کتاب اور اس کی تعلیم کا کوئی اہم پہلو بیان کرتی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیے:

(۱) ذلک الکتاب لاریب فیہ (یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کے شبہ و شک کی گنجائش نہیں)

(۲) ھدیً للناس و بینٰت من الھدیٰ والفرقان (یہ کتاب لوگوں کیلئے ہدیٰ ہے ہدی کے واضح دلائل ہیں اور "فرقان" ہے)

(۳) ... واتبعوا النور الذی انزل معہ (اور وہ اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو رسول امی کے ساتھ نازل کیا گیا)

(۴) ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم (اور وہ اس بوجھ اور طوق کو ان پر سے ہٹاتا ہے جو ان پر پڑی تھیں)

(۵) ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیٔ (ہم نے تم پر وہ کتاب اتاری جو تمام چیزوں کی تفصیل پر مشتمل ہے)

(۶) لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (اگر یہ کتاب غیر خدا کی طرف سے ہوتی تو اس میں بڑے اختلافات دیکھتے)

لیکن اس مختصر مضمون میں ہم قرآن کریم کے اس دعوے کو جانچنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ قرآنِ حکیم ہے وہ حکمت والے حکم مطلق کی نازل کردہ کتاب ہے! اس لئے اس کے اندر حکمت سموئی ہوئی ہے یہ کتاب حکمت کو خیر کثیر بھی کہتی ہے:

من یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا۔

انبیا کے وظیفۂ نبوت کے متعلق بھی ارشاد ہے کہ وہ انسانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کتاب کے ساتھ ساتھ حکمت کا بیان بالالتزام کیوں آتا ہے اور حکمت کے کیا معنی ہیں۔ ذیل میں کچھ آیات درج کی جاتی ہیں۔ جن میں کتاب و حکمت کا ساتھ ساتھ ذکر ہے:

(۱) ... لما اتیتکم من کتٰب وحکمۃ ... (۳ : ۸۱) (اے پیغمبرو! ہم نے جو تمہیں کتاب و حکمت دی ...)

(۲) ... یعلمھم الکتٰب والحکمۃ ... (۲ : ۱۲۹) (۳ : ۱۶۴) (یہ رسولؐ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ...)

(۳)...... یعلمکم الکتب والحکمۃ ......(۲: ۱۵۱) (تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے)

(۴)...... یعلمہ الکتب والحکمۃ ......(۳: ۴۸) (اللہ مسیحؑ کو کتاب و حکمت سکھاتا رہا)

(۵)...... فقد اتینا ال ابراھیم الکتب والحکمۃ ......(۴: ۵۴) (اور ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کیں)

(۶)...... وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ ......(۴: ۱۱۳) (اور اللہ نے آپؐ پر کتاب و حکمت نازل فرمائیں)

قرآن کریم کے اندر زندگی کے ہر اہم شعبے کے متعلق احکام موجود ہیں لیکن کہیں قرآن اپنے آپ کو کتاب الاحکام نہیں کہتا۔ اس کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ احکام صادر ہوتے ہیں بربنائے حکمت اور ہر حکم کی تہ میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ جو انفس و آفاق پر غور و خوض کرنے والوں پر ہی منکشف ہو سکتی ہے۔ حکم کو محض بحیثیتِ حکم پیش کرنا اور اسے واجب الاطاعت گرداننا مطلق العنان حکمرانوں کی آمریت سے سرزد ہو سکتا ہے جو بے چون و چرا محکوموں سے فرمانبرداری کے طالب ہوتے ہیں لیکن خدائے کائنات محض حاکم نہیں بلکہ حکیم بھی ہے۔ افلاطون کی مشہور کتاب "جمہوریہ" میں سقراط کی زبان سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسانی جماعتوں اور ملتوں میں تب تک عدل حقیقی قائم نہیں ہو سکتا جب تک یہ صورت پیدا نہ ہو کہ یا تو حکما حکمران بن جائیں یا حکمران حکما بن جائیں۔ ملتوں میں اندرونی اور بیرونی فساد کی وجہ یہی ہے کہ جو حاکم اور صاحب اقتدار بن جاتے ہیں وہ حکمت سے معرّا ہوتے ہیں اور جو مردِ حکیم ہے اسے سیاسی اقتدار حاصل نہیں ہوتا! افلاطون اور سقراط نے تقریباً اڑھائی ہزار برس قبل حکومتوں کے جس انداز کو بیان کیا ہے وہ انداز اب بھی کم و بیش ہر حکومت میں پایا جاتا ہے۔ قرآن ایسے خدا اور خلاقِ فطرت کو پیش کرتا ہے جو حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے' اس کے ہاں سے ہر حکم کسی نہ کسی حکمت سے سرزد ہوتا ہے بے اصول حکمرانی خود خدا بھی نہیں کرتا جو قادرِ مطلق ہے۔ خدا ہادی ہے صرف انسانوں کا ہادی نہیں بلکہ حجر و شجر اور شمس و قمر اور ہر ذرّہ کائنات کا ہادی ہے:

ربنا اعطی کل شئ خلقہ ثم ھدی (۲۰: ۵۰) (ہمارے رب نے ہر شے کو اس کی مخصوص بناوٹ عطا کی پھر اس کی راہنمائی کی)

کوئی ہدایت بھی محض حکم نہیں ہوتی ہر ہدایت کا سرچشمہ بھی کوئی علت غائی ہوتی ہے اور اسی علت میں اس ہدایت کی حکمت مضمر ہوتی ہے۔ خدا نے دیکھا کہ دنیا کے حکمران کم و بیش حکمت سے معرّا ہوتے ہیں۔ ان کے احکام میں شخصی یا خاندانی یا طبقاتی خود غرضی پنہاں ہوتی ہے۔ ان کے ہاں عدل بے لوث نہیں ہوتا لیکن انسانوں کو ہدایت اور عادلانہ زندگی کی بیحد ضرورت ہے اس لئے خدا نے انبیا کو مبعوث کیا جو خدائے حکیم کے حکیمانہ احکام لوگوں کے سامنے پیش کریں اور ان کو نافذ کرنے کی کوشش کریں لیکن ہر نبی کو مشیت الٰہی نے یہ توفیق عطا نہ کی کہ وہ دنیاوی زندگی میں صاحب اقتدار حکمران بھی بن جائے، اکثر کے سپرد یہی وظیفہ ہوا کہ وہ صاحب اقتدار طبقوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور انسانوں کے ضمیروں کو بیدار کریں۔ ان کو ان کے اعمال کے نتائج سے آگاہ کریں ظلم سے کنارہ کشی کی تلقین کریں اور معاشرتی عدل پر آمادہ کریں۔ ان میں سے اکثر کی صدا صدا بہ صحرا رہی یا ضمائر انسانی میں محض ہلکی ہلکی لہریں پیدا ہوئیں لیکن قرآن کہتا ہے کہ سب انبیا امر و نواہی کی تلقین کے ساتھ ساتھ حکمت آموزی بھی کرتے تھے۔ وہ صاحبانِ حکمت بھی تھے۔ وہ اعمال کے فطری اسباب و علل سے بھی لوگوں کو آگاہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کہتے تھے اس کے معقول ہونے کی کچھ نہ کچھ وجہ بھی بتاتے تھے نفوسِ انسانی کی بیماریوں کی تشخیص کرتے اور ان کا علاج بھی تجویز کرتے تھے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انبیا اور حکما دو الگ الگ گروہ ہیں اور اس تفریق کی بنا پر یہ تصور ہے کہ انبیا جو کچھ کہتے ہیں وہ

استدلال سے حاصل کردہ حکمت نہیں ہوتی بلکہ براہِ راست مبدا رفیاض سے حاصل کردہ ہدایت ہوتی ہے اور حکما کے متعلق یہ تصور ہے کہ وُہ محض عقل اور مشاہدہ سے فطرت کا مطالعہ کرتے ہیں اور استقرا، استخراج اور قیاس سے نتائج اخذ کرتے ہیں لیکن قرآن سچی نبوت اور حقیقی حکمت میں کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کرتا۔ وہ اکثر انبیا کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہتا ہے کہ ان کو حکمت بھی عطا کی گئی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر نبی حکیم بھی ہوتا ہے لیکن ہر حکیم نبی نہیں ہوتا۔ اصل حکمت وہ ہے جو نبوت کے ساتھ وابستہ ہو۔ اگر حکمت نبوت سے مطلقاً منقطع ہو جائے تو اس کے دو ہی نتائج ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی حکمت محض ظن آفرینی اور استدلالی بھول بھلیاں ہو اور دوسرے یہ کہ وُہ مظاہرِ فطرت کے کسی گوشے کے متعلق کوئی جزئی معلومات ہو جو براہِ راست انسانی زندگی میں مؤثر نہ ہو۔

حکمت کے مفہوم میں ذرا مزید وضاحت کی ضرورت ہے یہ لفظ دینیات سے الگ ہو کر کبھی فلسفہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی سائنس کے معنوں میں۔ فلسفہ کے مسائل اور دین کے مسائل بہت حد تک مشترک ہوتے ہیں۔ اور ان مسائل کے حل کے راستے کچھ دُور تک متوازی چلتے ہیں لیکن خاص حدود سے آگے طرزِ استدلال اور حقیقت رسی کے وسائل ایک دُوسرے سے ممتاز اور مختلف ہو جاتے ہیں فلسفی بھی زندگی کی اساسی اور کلی صداقتوں اور بنیادی حقیقتوں کو جاننا چاہتا ہے اور دین بھی انھیں حقائق کا نام ہے عقل ایک خدا داد جوہر ہے اور انسان کی امتیازی خصوصیت ہے اسی لئے قرآن نے عقل کو استعمال کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ وہ جو تعلیم بھی بذریعہ وحی زبانی پیش کرتا ہے اس کے متعلق ساتھ ہی کہہ دیتا ہے کہ تفکر اور تدبر کرنے والے اولو الالباب اگر اچھی طرح مشاہدہ مطالعہ اور استدلال کریں گے تو اس کو درست پائیں گے عقل و وحی کا امتیاز اور فرق موجود ہے لیکن قرآن انکے باہمی تخالف کا قائل نہیں۔ اگر ان میں تخالف ہوتا تو قرآن اپنے آپ کو حکمت کی کتاب نہ کہتا اور نہ مظاہرِ فطرت کے مطالعہ سے حقیقت رسی پر اسقدر زور دیتا۔ قرآن کی تعلیم میں یہ یقین موجود ہے کہ حکمت کا صحیح استعمال انجام کار حقائقِ دینیہ کی ضرور تائید کرے گا۔ قرآن حکیمانہ جد و جہد کو جزوِ دین اور جزوِ عبادت سمجھتا ہے۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شرحِ صدر سے سوچنے والے فلسفی اور نبی میں فرق کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ نبی کے ہاں صرف مشاہدۂ کائنات اور استدلال ہی نہیں بلکہ براہِ راست کچھ حقائق کا وجدان اور ادراک ہے یقین فلسفی میں بھی پیدا ہو سکتا ہے لیکن وُہ علم الیقین کی حد تک رہتا ہے۔ اس سے آگے عین الیقین اور آگے بڑھ کر حق الیقین کا درجہ ہے یہ آخری دو درجے محض استدلال سے حاصل نہیں ہو سکتے سوانح میں ابو سعید ابوالخیر مشہور صوفی اور اس کے ہمعصر بو علی سینا کی ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بو علی ان کے سامنے حقائقِ حیات و کائنات پر عقلی گفتگو کرتا رہا اور از روئے عقل و حکمت ان تمام حقائق کی تائید کرتا گیا۔ جن کی تعلیم دین میں ملتی ہے۔ ابو سعید نے اس تمام حکیمانہ استدلال کے جواب میں فقط یہ کہا: "ہر چہ تو مے دانی من می بینم" ۔ یہ دانش اور بینش کا فرق بہت بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو اقبالؒ نے بھی جا بجا مختلف دلکش پیرایوں میں بیان کیا ہے:

عقل گو آستاں سے دُور نہیں — اس کی تقدیر میں حضور نہیں

یہ حضوری ہی ہے جسے کوئی مشاہدہ کہتا ہے کوئی وجدان کہتا ہے کوئی مکاشفہ کہتا ہے۔ انبیاء کے ہاں اس کی جو صورت